مولانا محمد تقی امینی ۵ر مئی ۱۹۲۶ء مطابق ۲۲ر شوال ۱۳۴۴ھ کو ضلع بارہ بنکی کے ایک گاؤں صبیحہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی جو تجوید و حفظ اور عربی و فارسی کی ضروری واقفیت پر مشتمل تھی۔ پھر جامع العلوم کانپور میں تحصیلِ علم کیا اور آخر میں مدرسہ امینیہ دہلی میں داخل ہوئے جہاں مولانا مفتی کفایت اللہ وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء سے رسمی تعلیم کی تکمیل کی۔ مولانا اپنے نام کے ساتھ امینی لکھتے تھے۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ امینی کی نسبت قاسمی اور ندوی کی طرح اس ادارہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں سے آپ نے سندِ فراغت حاصل کی مگر مولانا اس نسبت کو "امانت" سے جوڑتے تھے جو دین کی اساس ہے۔

فراغت کے بعد مولانا نے مدرسہ سبحانیہ دہلی، جامع العلوم کانپور، مدرسہ فرقانیہ اور مدرسہ ثانویہ ناگپور، دارالعلوم معینیہ اجمیر اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ابتدا میں مولانا نے وعظ و تقریر اور مناظرہ کو بھی اپنا میدان بنایا۔ کانپور اور اپنے وطن میں متعدد مناظرے کئے۔ بدعات و خرافات اور منکرات کے خلاف لسانی جہاد کیا جس کے نتیجے میں بہت سے وہ لوگ ان کے مخالف اور درپے آزار ہوگئے جو منکرات و بدعات کو اپنے مفادات اور جذبات کا وسیلہ بنا چکے تھے۔ بعد میں مولانا خود اس طریقِ تبلیغ سے دست بردار ہوگئے کیونکہ ان کو اس سے کسی مثبت تبدیلی کی توقع نہ رہی۔ مولانا اکثر و بیشتر اپنے علاقے کے چودھری محمد شفیع کا تذکرہ کرتے جو اس فضا میں مولانا کے ہم نوا، قدر داں اور پشت پناہ تھے۔ اجمیر کے دوران قیام میں اگرچہ وہ مناظرہ چھوڑ چکے تھے مگر ان کی حق گو طبیعت کو وہاں بھی آزار پہنچے۔ ایسے ہی مخالف ماحول میں ایک مرتبہ اپنے حالات مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کو لکھے تو مفتی صاحب نے جواباً لکھا "یہ ضروری ہے کہ آدمی جب بھی کہے حق بات کہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت کہتا رہے"۔

مولانا ممدوح مفتی صاحب کا یہ فقرہ اکثر دہرایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں جبکہ ہندوستان کی فضا مسلمانوں کے لئے کچھ زیادہ سازگار نہ تھی، مولانا نے ناگپور کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں انہوں نے امامت، تدریس اور تصنیف کی سہ گونہ مصروفیات کا حصار اپنے گرد قائم کر لیا۔ مسجد کا وہ حجرہ آج بھی موجود ہے جہاں مولانا محترم نے اپنی پہلی باقاعدہ تصنیف

© rasailojaraid.c

مولانا محمد تقی امینی ۵ر مئی ۱۹۲۶ء مطابق ۲۲ر شوال ۱۳۴۴ھ کو ضلع بارہ بنکی کے ایک گاؤں صبیحہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی جو تجوید و حفظ اور عربی و فارسی کی ضروری واقفیت پر مشتمل تھی۔ پھر جامع العلوم کانپور میں تحصیلِ علم کیا اور آخر میں مدرسہ امینیہ دہلی میں داخل ہوئے جہاں مولانا مفتی کفایت اللہ وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء سے رسمی تعلیم کی تکمیل کی۔ مولانا اپنے نام کے ساتھ امینی لکھتے تھے۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ امینی کی نسبت قاسمی اور ندوی کی طرح اس ادارہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں سے آپ نے سندِ فراغت حاصل کی مگر مولانا اس نسبت کو "امانت" سے جوڑتے تھے جو دین کی اساس ہے۔

فراغت کے بعد مولانا نے مدرسہ سبحانیہ دہلی، جامع العلوم کانپور، مدرسہ فرقانیہ اور مدرسہ ثانویہ ناگپور، دارالعلوم معینیہ اجمیر اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ابتدا میں مولانا نے وعظ و تقریر اور مناظرہ کو بھی اپنا میدان بنایا۔ کانپور اور اپنے وطن میں متعدد مناظرے کئے۔ بدعات و خرافات اور منکرات کے خلاف لسانی جہاد کیا جس کے نتیجے میں بہت سے وہ لوگ ان کے مخالف اور درپے آزار ہوگئے جو منکرات و بدعات کو اپنے مفادات اور جذبات کا وسیلہ بنا چکے تھے۔ بعد میں مولانا خود اس طریقِ تبلیغ سے دست بردار ہوگئے کیونکہ ان کو اس سے کسی مثبت تبدیلی کی توقع نہ رہی۔ مولانا اکثر و بیشتر اپنے علاقے کے چودھری محمد شفیع کا تذکرہ کرتے جو اس فضا میں مولانا کے ہم نوا، قدر داں اور پشت پناہ تھے۔ اجمیر کے دوران قیام میں اگرچہ وہ مناظرہ چھوڑ چکے تھے مگر ان کی حق گو طبیعت کو وہاں بھی آزار پہنچے۔ ایسے ہی مخالف ماحول میں ایک مرتبہ اپنے حالات مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کو لکھے تو مفتی صاحب نے جواباً لکھا "یہ ضروری ہے کہ آدمی جب بھی کہے حق بات کہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت کہتا رہے"۔

مولانا ممدوح مفتی صاحب کا یہ فقرہ اکثر دہرایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں جبکہ ہندوستان کی فضا مسلمانوں کے لئے کچھ زیادہ سازگار نہ تھی، مولانا نے ناگپور کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں انہوں نے امامت، تدریس اور تصنیف کی سہ گونہ مصروفیات کا حصار اپنے گرد قائم کر لیا۔ مسجد کا وہ حجرہ آج بھی موجود ہے جہاں مولانا محترم نے اپنی پہلی باقاعدہ تصنیف

© rasailojaraid.com

کے خطبات کا ایک مجموعہ مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا کی دوسری کتابیں اس طرح ہیں:

۱۔ اسلام کا زرعی نظام

۲۔ حدیث کا درایتی معیار

۳۔ فقہ کا تاریخی پس منظر

۴۔ اجتہاد کا تاریخی پس منظر

۵۔ مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر (یہ دونوں کتابیں یکجا پاکستان سے شائع ہوئی ہیں) ان میں سے ایک کتاب کا انگریزی ترجمہ Fundamentals of Ijtehad کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت۔ اس کا بھی انگریزی ترجمہ پروفیسر غلام محمد صاحب سابق ڈین فیکلٹی آف قانون اے ایم یو نے Time changes in Islamic Sharia کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ادارہ ادبیات دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۷۔ لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ The Era of Atheism کے نام سے شائع ہوا ہے اور عربی ترجمہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے عصر الالحاد کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۸۔ تہذیب کی تشکیل جدید۔ اس کتاب کا بھی انگریزی ترجمہ Reconstruction of Culture کے نام سے اور عربی ترجمہ الاسلام تشکیل جدید للحضارۃ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔ اس کا عربی ترجمہ النظام الالٰہی للرقی والانحطاط کے نام سے ڈاکٹر ازہری نے کیا ہے۔

۱۰۔ الاسس الفکریہ الایمانیہ (عربی) یہ کتاب ہم آہنگ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعض حصوں کا ترجمہ راقم نے کیا تھا۔

۱۱۔ بین الانسان الحقیقی والانسان الصناعی۔ عربی کی مذکورہ ساری کتابیں دار الصحوۃ للنشر القاہرہ سے طبع ہوئی ہیں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کے خطبات کا ایک مجموعہ مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا کی دوسری کتابیں اس طرح ہیں:

۱۔ اسلام کا زرعی نظام

۲۔ حدیث کا درایتی معیار

۳۔ فقہ کا تاریخی پس منظر

۴۔ اجتہاد کا تاریخی پس منظر

۵۔ مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر (یہ دونوں کتابیں یکجا پاکستان سے شائع ہوئی ہیں) ان میں سے ایک کتاب کا انگریزی ترجمہ Fundamentals of Ijtehad کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت۔ اس کا بھی انگریزی ترجمہ پروفیسر غلام محمد صاحب سابق ڈین فیکلٹی آف قانون اے ایم یو نے Time changes in Islamic Sharia کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ادارہ ادبیات دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۷۔ لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ The Era of Atheism کے نام سے شائع ہوا ہے اور عربی ترجمہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے عصر الالحاد کے نام سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۸۔ تہذیب کی تشکیل جدید۔ اس کتاب کا بھی انگریزی ترجمہ Reconstruction of Culture کے نام سے اور عربی ترجمہ الاسلام تشکیل جدید للحضارۃ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۹۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔ اس کا عربی ترجمہ النظام الالٰہی للرقی والانحطاط کے نام سے ڈاکٹر ازہری نے کیا ہے۔

۱۰۔ الاسس الفکریہ الایمانیہ (عربی) یہ کتاب ہم آہنگ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعض حصوں کا ترجمہ راقم نے کیا تھا۔

۱۱۔ بین الانسان الحقیقی والانسان الصناعی۔ عربی کی مذکورہ ساری کتابیں دار الصحوۃ للنشر القاہرہ سے طبع ہوئی ہیں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہندوستان کے بیشتر علماء نے ان کی تائید کی۔ اس طرح کے بعض مسائل تہذیب کی تشکیلِ جدید میں اور احکامِ شرعیہ میں موجود ہیں۔ مولانا اپنے قدیم علمی ورثہ سے بھی وابستہ اور جدید فکری رجحانات سے بھی باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر ان رجحانات کا جمعہ کے خطبات اور احتساب کے صفحات میں محاسبہ بھی کرتے تھے۔ ان کی کتابوں اور مضامین میں یہ پہلو بھی خاصا ممتاز نظر آتا ہے۔ میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے اس تجزیہ سے اتفاق کرتا ہوں کہ "وہ نہ تو مقلد قلم کار ہیں اور نہ ایسے مفکر ہیں جو عقل سے زیادہ جذبات سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ ایسے مسلمان مفکر ہیں جو ان فکری اسلحوں سے لیس ہیں جن کی عصرِ حاضر میں اسلام کے دفاع کے لئے ضرورت ہے"۔

مولانا اپنی ہر بات کا حوالہ ماضی سے ڈھونڈ کر لاتے تھے اور کہتے تھے: میں اپنی بات گزشتہ علماؑ کی زبان سے کہتا ہوں' اسی لئے کوئی میری مخالفت نہیں کرتا۔ بعض لوگوں کو ان کے مسلسل اقتباسات اور حوالوں سے تکدّر ہوتا اور اس کا اظہار بھی ہوتا مگر مولانا اس راہ کی نزاکتوں سے واقف تھے۔ اس لئے اس اندازِ تصنیف میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔

مولانا اپنی تحریریں چھپنے سے پہلے دوسروں کو سنایا کرتے۔ اکثر راقم کو بھی سناتے اور کہتے تبصرہ کرو اور میرا حال یہ ہوتا "گویم مشکل نہ گویم ہم مشکل"۔ کبھی کہتے میری کتابیں کون پڑھتا ہے۔ میں تو اپنی دماغی خارش مٹانے کے لئے لکھتا ہوں۔ آخری عمر میں پروفیسر رفیع الدین ناگپوری نے کہا: مولانا لکھنا بھی بند کر دیجئے۔ یہ بھی حجاب ہے اب ہم لوگوں کا بلاوا آنے والا ہے۔ مولانا بولے: میں نہیں چھوڑ سکتا' یہی میری عبادت ہے' یہی میرا ذکر ہے اور یہی سب کچھ ہے۔ مولانا اکثر یہ فرماتے: دنیا میں حسن کی کمی نہیں آن کی کمی ہے۔ مولانا کے علم و اخلاق سے فیض یاب ہونے والے جانتے ہیں کہ ان کو اللہ نے حسن بھی دیا تھا اور آن بھی۔ مولانا کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دوسروں کا اعتراف اور اکرام دونوں کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بات اچھی لگتی اسے اپنا لیتے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک مرتبہ مشہور ہندی مترجم قرآن محمد فاروق خاں صاحب ان سے ملنے آئے۔ مولانا نے پوچھا نجات آسان ہے یا مشکل۔ خاں صاحب نے کہا اللہ کے ساتھ اگر راست بازی اختیار کی جائے تو نجات آسان ہے اور اگر اللہ کے ساتھ چالاکی کی جائے تو نجات مشکل

© rasailojaraid.c

ہندوستان کے بیشتر علماء نے ان کی تائید کی۔ اس طرح کے بعض مسائل تہذیب کی تشکیلِ جدید میں اور احکامِ شرعیہ میں موجود ہیں۔ مولانا اپنے قدیم علمی ورثہ سے بھی وابستہ اور جدید فکری رجحانات سے بھی باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر ان رجحانات کا جمعہ کے خطبات اور اختساب کے صفحات میں محاسبہ بھی کرتے تھے۔ ان کی کتابوں اور مضامین میں یہ پہلو بھی خاصا ممتاز نظر آتا ہے۔ میں ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کے اس تجزیہ سے اتفاق کرتا ہوں کہ "وہ نہ تو مقلد قلم کار ہیں اور نہ ایسے مفکر ہیں جو عقل سے زیادہ جذبات سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ ایسے مسلمان مفکر ہیں جو ان فکری اسلحوں سے لیس ہیں جن کی عصرِ حاضر میں اسلام کے دفاع کے لئے ضرورت ہے"۔

مولانا اپنی ہر بات کا حوالہ ماضی سے ڈھونڈ کر لاتے تھے اور کہتے تھے: میں اپنی بات گزشتہ علماء کی زبان سے کہتا ہوں، اسی لئے کوئی میری مخالفت نہیں کرتا۔ بعض لوگوں کو ان کے مسلسل اقتباسات اور حوالوں سے تکدّر ہوتا اور اس کا اظہار بھی ہوتا مگر مولانا اس راہ کی نزاکتوں سے واقف تھے۔ اس لئے اس اندازِ تصنیف میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔

مولانا اپنی تحریریں چھپنے سے پہلے دوسروں کو سنایا کرتے۔ اکثر راقم کو بھی سناتے اور کہتے تبصرہ کرو اور میرا حال یہ ہوتا "گویم مشکل نہ گویم ہم مشکل"۔ کبھی کہتے میری کتابیں کون پڑھتا ہے۔ میں تو اپنی دماغی خارش مٹانے کے لئے لکھتا ہوں۔ آخری عمر میں پروفیسر رفیع الدین ناگپوری نے کہا: مولانا لکھنا بھی بند کر دیجئے۔ یہ بھی حجاب ہے اب ہم لوگوں کا بلاوا آنے والا ہے۔ مولانا بولے: میں نہیں چھوڑ سکتا، یہی میری عبادت ہے، یہی میرا ذکر ہے اور یہی سب کچھ ہے۔ مولانا اکثر یہ فرماتے: دنیا میں حسن کی کمی نہیں آن کی کمی ہے۔ مولانا کے علم و اخلاق سے فیض یاب ہونے والے جانتے ہیں کہ ان کو اللہ نے حسن بھی دیا تھا اور آن بھی۔ مولانا کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دوسروں کا اعتراف اور اکرام دونوں کرتے تھے۔ کسی کی کوئی بات اچھی لگتی اسے اپنا لیتے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک مرتبہ مشہور ہندی مترجم قرآن محمد فاروق خاں صاحب ان سے ملنے آئے۔ مولانا نے پوچھا نجات آسان ہے یا مشکل۔ خاں صاحب نے کہا اللہ کے ساتھ اگر راست بازی اختیار کی جائے تو نجات آسان ہے اور اگر اللہ کے ساتھ چالاکی کی جائے تو نجات مشکل

© rasailojaraid.com

تنخواہ سے ادا ہوئے۔ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے میرے سامنے کہا، مولانا! ایک عورت برقعہ پہن کر آتی ہے، آپ اسے پیسے دے دیتے ہیں، وہی برقعہ اتار کر پھر مانگنے آتی ہے، آپ منع نہیں کرتے۔ مولانا نے مخلوقِ خدا کی ضرورت کا حوالہ دے کر ٹال دیا اور اس اصول پر مرتے دم تک قائم رہے کہ سخی کی کمائی میں سب کا حصہ ہے۔

ہمارے مولانا مرنجاں مرنج اور ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے بھی دوست تھے۔ ان کا شیوہ فیض کی زبانی یہ تھا ؎

غمِ جہاں ہو رخِ یار ہو کہ دستِ عدو سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

بعض لوگوں نے مولانا پر رکیک حملے کیے اور سنگین الزامات لگائے، مگر مولانا صبر و تحمل اور عفو درگزر کی تصویر بنے رہے البتہ ایسے لوگوں سے محتاط رہتے۔ انہوں نے بچوں کی سی معصوم طبیعت پائی تھی۔ جلد ناراض بھی ہوتے اور جلد ہی مان بھی جاتے۔ کسی کو ڈانٹ دیتے پھر محسوس کرتے تو خود ہی معافی مانگتے اور اس کی تلافی کرتے۔ فیکلٹی کے ایک چپراسی سے ناراض ہوئے تو ڈانٹ لگائی۔ دوسرے دن بلا کر معافی مانگ لی۔ ہاں صاحبو! میرے مولانا نے ڈین ہو کر اپنے چپراسی سے معافی مانگی اور جیب سے کچھ روپے نکال کر دیئے اور کہا جاؤ چائے پی لینا۔

مولانا کسی کا دل دکھانا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور ہر کسی کی دلجوئی کرنا اپنا وطیرہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اور بصیر بھائی (استاد سنّی دینیات) رات گئے تک مولانا سے استفادہ کرتے رہے۔ بات مصر کے سابق حکمراں جمال عبدالناصر اور اخوان المسلمون پر چل نکلی۔ مولانا کہہ گئے کہ اخوان نے جمال کی حکومت چھیننا چاہی تو جمال نے اخوان کو مٹانا چاہا۔ معاملہ برابر کا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا، مولانا! تو پھر حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی حکومت چھیننا چاہی اور فرعون نے ان کے قتل کی سازش کی۔ یہ معاملہ بھی برابر کا رہا۔ اس پر مولانا بہت ناراض ہوئے اور بصیر بھائی سے کہا، اس کی دیدہ دلیری دیکھتے ہو، یہ کیسی بات کر رہا ہے۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر مولانا سیدھے میرے کمرے میں آئے اور پھر فرمایا "بھئی رات میری بات سے تمہیں تکلیف ہوئی معاف کرنا"۔ ادھر میرا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں، پیروں تلے سے زمین نکل چکی تھی، فرشتہ صفت عالمِ دین سامنے کھڑا تھا۔ ایسے دور میں جبکہ اپنی باتوں پر اصرار اور ہربات پر اپنی انا

© rasailojaraid.com

تنخواہ سے ادا ہوئے۔ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے میرے سامنے کہا، مولانا! ایک عورت برقعہ پہن کر آتی ہے، آپ اسے پیسے دے دیتے ہیں، وہی برقعہ اتار کر پھر مانگنے آتی ہے، آپ منع نہیں کرتے۔ مولانا نے مخلوقِ خدا کی ضرورت کا حوالہ دے کر ٹال دیا اور اس اصول پر مرتے دم تک قائم رہے کہ سخی کی کمائی میں سب کا حصہ ہے۔

ہمارے مولانا مرنجاں مرنج اور ہشت پہلو شخصیت کے حامل تھے۔ دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے بھی دوست تھے۔ ان کا شیوہ فیض کی زبانی یہ تھا۔

غمِ جہاں ہو رخِ یار ہو کہ دستِ عدو سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

بعض لوگوں نے مولانا پر رکیک حملے کیے اور سنگین الزامات لگائے، مگر مولانا صبر و تحمل اور عفو درگزر کی تصویر بنے رہے البتہ ایسے لوگوں سے محتاط رہتے۔ انہوں نے بچوں کی سی معصوم طبیعت پائی تھی۔ جلد ناراض بھی ہوتے اور جلد ہی مان بھی جاتے۔ کسی کو ڈانٹ دیتے پھر محسوس کرتے تو خود ہی معافی مانگتے اور اس کی تلافی کرتے۔ فیکلٹی کے ایک چپراسی سے ناراض ہوئے تو ڈانٹ لگائی۔ دوسرے دن بلا کر معافی مانگ لی۔ ہاں صاحبو! میرے مولانا نے ڈین ہو کر اپنے چپراسی سے معافی مانگی اور جیب سے کچھ روپے نکال کر دیئے اور کہا جاؤ چائے پی لینا۔

مولانا کسی کا دل دکھانا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور ہر کسی کی دلجوئی کرنا اپنا وطیرہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اور بصیر بھائی (استادِ سُنّی دینیات) رات گئے تک مولانا سے استفادہ کرتے رہے۔ بات مصر کے سابق حکمراں جمال عبدالناصر اور اخوان المسلمون پر چل نکلی۔ مولانا کہہ گئے کہ اخوان نے جمال کی حکومت چھیننا چاہی تو جمال نے اخوان کو مٹانا چاہا۔ معاملہ برابر کا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا، مولانا! تو پھر حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی حکومت چھیننا چاہی اور فرعون نے ان کے قتل کی سازش کی۔ یہ معاملہ بھی برابر کا رہا۔ اس پر مولانا بہت ناراض ہوئے اور بصیر بھائی سے کہا، اس کی دیدہ دلیری دیکھتے ہو، یہ کیسی بات کر رہا ہے۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر مولانا سیدھے میرے کمرے میں آئے اور پھر فرمایا "بھئی رات میری بات سے تمہیں تکلیف ہوئی معاف کرنا"۔ ادھر میرا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں، پیروں تلے سے زمین نکل چکی تھی، فرشتہ صفت عالمِ دین سامنے کھڑا تھا۔ ایسے دور میں جبکہ اپنی باتوں پر اصرار اور ہربات پر اپنی انا

© rasailojaraid.com

عرب نژاد شیخ واردِ جامعہ ہوئے۔ وائس چانسلر صاحب نے جمعہ کی نماز میں قالین بچھانے اور صف اوّل میں مہمان کے لئے جگہ رکھنے کے لئے اطلاع بھجوائی۔ مولانا نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ اس جگہ امیرو غریب سب برابر ہیں۔

اس کے باوجود مولانا نقطۂ نظر کی سختی اور مفاد پرستی دونوں سے الگ ہو کر حقیقت پسندی کے قائل تھے۔ وہ اگر کہیں اپنے موقف پر اٹل رہتے تو اپنی بات کو واپس لینا بھی جانتے تھے۔ مولانا کی ذات دلگداز بھی تھی اور دلنواز بھی۔ کھلی کتاب کی طرح ہر کسی سے بے لوث طریقے پر ملتے۔ وہ مذہبی شخصیات اور جماعتوں سے الگ تھلگ رہ کر بھی ان سے دلی لگاؤ رکھتے اور ان کے اچھے پہلوؤں اور کارناموں کا ذکر کرتے۔ وہ چند جملے اکثر دہراتے "میاں جیسا آدمی ویسا اس کا مذہب"۔ "ساری جماعتیں ٹھیک ہیں، کسی نے حق پر ہونے کا اللہ سے پٹہ لکھا لیا ہے"۔ مولانا مسلک و جماعت کی تمیزو تفریق کے کبھی قائل نہیں تھے۔ ان کا شیوہ اقبال کی زبان میں یہ تھا۔

تمیزِ رنگ و بُو مارا حرام است — کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

طبیہ کالج کے پرنسپل صاحب سے ایک مرتبہ کسی ضرورت مند کی ملازمت کی سفارش کی۔ پرنسپل صاحب نے کہا وہ تو بریلوی ہے اور آپ سفارش کر رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا "وہ کچھ بھی ہو مسلمان ہے، اس کی مدد ہونی چاہئے"۔ کوئی عالم خواہ کسی مسلک کا ہو اگر علی گڑھ آتا تو مولانا کی خواہش ہوتی کہ وہ ان کا مہمان ہوتا۔ وہ اگر مولانا سے ملنے آتا تو بہتر ورنہ مولانا ان سے ملنے کا اہتمام کرتے اور ان کی سہولتوں کا خیال رکھتے۔ اپنے ملنے والوں کی خبر گیری بھی کرتے رہے۔

مولانا کی طبیعت میں نرمی اور بذلہ سنجی تھی، شرافت مع ظرافت تھی۔ وہ سلیکشن کمیٹی میں بیٹھتے تو بہت کم سوال کرتے اور کہتے، مجھے امیدواروں سے بڑی ہمدردی ہوتی ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ اسی صلاحیت کے ساتھ میں اِس کرسی پر ہوں اور وہ اُس جگہ۔ فرق کتنا ہے، یہ تو حالات ہیں جن کے سبب سے بیچارا مجھے انٹرویو دے رہا ہے۔ مولانا اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کو اکثر چھیڑ کر سوالات کرتے۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کو شوخ بناتے اور ان کی شوخی کو پورا کرتے۔ قربانی کا ایک موقع تھا، مولانا چک والی نئی شیروانی پہنے تشریف لائے۔ محلّہ کے بچوں نے کہا مولانا مٹھائی (علی گڑھ کی یہ

© rasailojaraid.com

عرب نژاد شیخ وارد جامعہ ہوئے۔ وائس چانسلر صاحب نے جمعہ کی نماز میں قالین بچھانے اور صف اوّل میں مہمان کے لئے جگہ رکھنے کے لئے اطلاع بھجوائی۔ مولانا نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ اس جگہ امیرو غریب سب برابر ہیں۔

اس کے باوجود مولانا نقطۂ نظر کی سختی اور مفاد پرستی دونوں سے الگ ہو کر حقیقت پسندی کے قائل تھے۔ وہ اگر کہیں اپنے موقف پر اٹل رہتے تو اپنی بات کو واپس لینا بھی جانتے تھے۔ مولانا کی ذات دلگداز بھی تھی اور دلنواز بھی۔ کھلی کتاب کی طرح ہر کسی سے بے لوث طریقے پر ملتے۔ وہ مذہبی شخصیات اور جماعتوں سے الگ تھلگ رہ کر بھی ان سے دلی لگاؤ رکھتے اور ان کے اچھے پہلوؤں اور کارناموں کا ذکر کرتے۔ وہ چند جملے اکثر دہراتے "میاں جیسا آدمی ویسا اس کا مذہب"۔ "ساری جماعتیں ٹھیک ہیں، کسی نے حق پر ہونے کا اللہ سے پٹہ لکھا لیا ہے"۔ مولانا مسلک و جماعت کی تمیز و تفریق کے کبھی قائل نہیں تھے۔ ان کا شیوہ اقبال کی زبان میں یہ تھا۔

تمیزِ رنگ و بُو مارا حرام است — کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

طبیہ کالج کے پرنسپل صاحب سے ایک مرتبہ کسی ضرورت مند کی ملازمت کی سفارش کی۔ پرنسپل صاحب نے کہا وہ تو بریلوی ہے اور آپ سفارش کر رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا "وہ کچھ بھی ہو مسلمان ہے، اس کی مدد ہونی چاہئے"۔ کوئی عالم خواہ کسی مسلک کا ہو اگر علی گڑھ آتا تو مولانا کی خواہش ہوتی کہ وہ ان کا مہمان ہوتا۔ وہ اگر مولانا سے ملنے آتا تو بہتر ورنہ مولانا ان سے ملنے کا اہتمام کرتے اور ان کی سہولتوں کا خیال رکھتے۔ اپنے ملنے والوں کی خبرگیری بھی کرتے رہے۔

مولانا کی طبیعت میں نرمی اور بذلہ سنجی تھی، شرافت مع ظرافت تھی۔ وہ سلیکشن کمیٹی میں بیٹھتے تو بہت کم سوال کرتے اور کہتے، مجھے امیدواروں سے بڑی ہمدردی ہوتی ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ اسی صلاحیت کے ساتھ میں اِس کرسی پر ہوں اور وہ اُس جگہ۔ فرق کتنا ہے، یہ تو حالات ہیں جن کے سبب سے بیچارا مجھے انٹرویو دے رہا ہے۔ مولانا اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کو اکثر چھیڑ کر سوالات کرتے۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کو شوخ بناتے اور ان کی شوخی کو پورا کرتے۔ قربانی کا ایک موقع تھا، مولانا چک والی نئی شیروانی پہنے تشریف لائے۔ محلّہ کے بچوں نے کہا مولانا مٹھائی (علی گڑھ کی یہ

© rasailojaraid.com

لغات و اعراب قرآن (۲۳)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۱۸)

آیات ۲۳، ۲۴

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ اگر ان کو مندرجہ بالا طریقِ قطعہ بندی برائے حوالہ میں از روئے استعمال کوئی دقت یا خرابی نظر آتی ہے تو وہ ہمیں اس کے لیے کوئی متبادل طریقِ حوالہ تجویز فرمائیں۔ جس میں کتاب کے مذکورہ بالا مباحثِ اربعہ کو بھی ملحوظ رکھا جا سکے۔

© rasailojaraid.com